آنحضرت ﷺ کا ہر عمل
عظیم الشان تعلیمات کا سمندر ہے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۷/جنوری ۱۹۸۳ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

گذشتہ خطبہ جمعہ میں میں نے ان مہمانوں کی عظیم الشان قربانی کا ذکر کیا تھا جو بہت سردی میں باہر جلسہ گاہ میں بیٹھے رہے اور اس آزمائش پر حیرت انگیز صبر کے ساتھ پورے اترے۔

اس خطبہ کے بعد بیرون ملک سے آئی ہوئی ایک خاتون نے بڑے ہی لطیف انداز میں مجھ سے شکوہ کیا اور کہا کہ تمہاری بہنوں اور بچیوں کا کیا قصور تھا کہ ان کا تم نے ذکر نہیں کیا اور انہوں نے اس شکوہ کی وجہ یہ بیان کی کہ جماعت احمدیہ میں ایک تاریخ بن رہی ہے اور اس تاریخ میں خلفاء وقت کے خطبات ایک بہت اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ چنانچہ اگر وقت کی قربانیوں کا ذکر محفوظ ہو جائے تو آئندہ نسلوں کو دعا کی تحریک ہوتی ہے اس لئے انہوں نے مختصراً یہ کہا کہ دراصل احمدی بہنوں کو دعا سے محروم نہیں رکھنا چاہئے اس لیے ان کا ذکر کرنا چاہئے تھا اور یہ شکوہ بجا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جو حالات میرے علم میں آئے ہیں ان کی رو سے احمدی بہنوں نے مردوں

سے کم نہیں بلکہ زیادہ قربانی کا مظاہرہ کیا ہے۔ مثلاً ۲۸/ دسمبر کو پہلے وقت میں جب کہ ابھی بارش ہو رہی تھی اور شدید سردی تھی اس وقت ہم نے جو جائزہ لیا تو معلوم یہ ہوا کہ مردوں کے جلسہ گاہ میں نسبتاً بہت کم آدمی ہیں لیکن عورتوں کے جلسہ گاہ میں بہت زیادہ خواتین ہیں۔ باوجود اس کے کہ ان میں بیشتر کی گود میں بچے بھی تھے اور ہاتھوں میں سلیپر یا گرگابیاں (جو بھی وہ پہنتی تھیں وہ) اٹھا رکھی تھیں اور کیچڑ میں لت پت بڑے صبر کے ساتھ انتظار کرنے لگیں کہ جلسہ کے بارہ میں کیا فیصلہ ہوتا ہے اور شام کو بھی اسی طرح مستورات باوجود اس کے کہ بچے شدید سردی میں تکلیف بھی محسوس کر رہے تھے لیکن بڑے صبر کے ساتھ وہ پورا وقت بیٹھی رہیں اور ان میں کوئی اٹھ کر بھی نہیں گئی۔ پس تاریخ احمدیت کے یہ ایسے واقعات ہیں جو واقعۃً محفوظ ہونے چاہئیں تا کہ آئندہ نسلیں اپنے آباؤ اجداد کی عظیم ہمتوں کا ذکر کر کے ان کے لئے دعا کرتی رہیں۔

دوسرے میں ربوہ کے دکانداروں کا ازخود ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے خیال آیا کہ یہ حصہ بھی ایسا ہے جو دعا کا مستحق ہے۔ اس دفعہ ایک دو مرتبہ خطبات میں یہ ذکر کیا گیا کہ جلسہ کے دوران دکانیں کھلی رہتی ہیں اور اس سے برا اثر پڑتا ہے دکاندار خود بھی نیکیوں سے محروم رہ جاتے ہیں اور دوسروں کو بھی محروم رکھتے ہیں اور اسی طرح نمازوں کے اوقات میں دکانیں بند نہیں کرتے اور اپنے کاروبار میں مصروف رہتے ہیں۔

اس جلسہ پر جو جائزہ لیا گیا اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک بھاری اکثریت، غیر معمولی طور پر نمایاں اکثریت نے ان نصائح پر عمل کیا اور جلسہ کے دوران دکانیں بند رکھیں اور نمازوں کے اوقات میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ وہ دکانوں کا کاروبار چھوڑ کر مساجد میں حاضر ہوتے رہے۔

پس یہ لوگ بھی خاص طور پر ہماری دعاؤں کے مستحق ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ خلافت کی برکات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بعض دفعہ بظاہر نصیحت عمل نہیں کر رہی ہوتی لیکن جب خلیفۂ وقت کی زبان سے وہی نصیحت نکلتی ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ غیر معمولی اثر پیدا کر دیتا ہے۔ یہ وہ دکاندار ہیں جن کو سالہا سال سے میں سمجھانے کی کوشش کرتا رہا۔ ان کے کئی اجلاس بلائے گئے کیونکہ افسر صاحب جلسہ سالانہ نے بحیثیت نائب افسر یہ میری ذمہ داری لگا رکھی تھی کہ میں تربیت کے امور کی عمومی نگرانی

کروں لیکن کوئی اثر نہیں ہوتا تھا حالانکہ میں بہت زور مارتا رہا لیکن وہی جس طرح کہتے ہیں پنچوں کا کہنا سرآنکھوں پر لیکن پرنالہ وہیں رہے گا۔ تو سرآنکھوں پر بات کر کے جب یہ واپس جاتے تھے تو اِلاّ ما شاء اللہ اسی طرح دکانیں کھول دیتے تھے۔ اب بھی وہی میں ہوں۔ بحیثیت ذات کے تو وہی ہوں لیکن چونکہ یہ آواز خلافت کی طرف سے بلند ہوئی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس میں غیر معمولی اثر رکھ دیا۔ لیکن ضمناً ایک بات کی طرف میں توجہ دلانا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ اس نے خلافت کی آواز میں اثر رکھا ہے اور جماعت میں غیر معمولی اطاعت کی روح رکھی ہے لیکن جو اصل مومنوں کی جماعت ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ دیکھنا چاہتے ہیں اس جماعت میں نصیحت اہمیت رکھتی ہے نصیحت کرنے والے کی کوئی اہمیت نہیں ہے یعنی امر واقعہ یہ ہے کہ جہاں تک نصیحت سننے والے کا تعلق ہے اس کو یہ نصیحت فرمائی گئی ہے کہ تم یہ نہ دیکھو کہ کس نے تمہیں کیا بات کہی ہے بلکہ تم یہ دیکھو کہ وہ بات ہے کیا جو کہی جا رہی ہے۔ اگر اچھی بات ہے تو خواہ کسی شخص سے بھی ملے وہ بہر حال تمہاری چیز ہے اور تمہاری دولت ہے۔

کلمة الحکمة ضالّة المؤمن (جامع ترمذی باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادة) اس کو اس طرح قبول کرو گویا تمہاری اپنی چیز کھوئی تھی، اس کو اٹھاؤ، صاف ستھرا کرو۔ اگر اس بات میں کوئی خم ہے، کوئی کجی ہے، کوئی طعن شامل ہو گیا ہے تو یہ تو باتوں کے گند ہوتے ہیں۔ تمہاری چیزیں بھی بعض دفعہ گند کے ڈھیروں پر گر جاتی ہیں۔ تم ان کو اٹھاتے ہو، دھوتے ہو، صاف کرتے ہو تو ان حکمت کی باتوں کو بھی اسی طرح قبول کر لیا کرو۔

پس یہ ہے وہ اصل تصور مومنوں کی جماعت کا جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے قائم فرمایا اور یہ سب سے اعلیٰ تصور ہے یعنی اپنی ڈیفنس لائن (Defence Line) کو کناروں تک پہنچا دو۔ یعنی اطاعت میں انتہائی حدوں پہ قدم مارو۔ اسی مضمون کو قرآن کریم نے بیان فرمایا 'رَابِطُوا' (آل عمران :۲۰۱) کے ایک لفظ میں کہ اپنی سرحدوں کی حفاظت کرو۔ سیکنڈ ڈیفنس لائن (Second Defence Line) یا تھرڈ ڈیفنس لائن (Third Defence Line) سنٹرل ڈیفنس لائن پر اگر تم واپس جلدی جلدی آنا شروع ہو گے تو تمہارے لئے کئی قسم کے خطرات درپیش ہونگے۔

پس نصیحت کے معاملہ میں رَابِطُوا کا حکم یہ ہو گا کہ ادنیٰ آدمی نصیحت کرے یا اعلیٰ آدمی

نصیحت کرے تمہارے دل میں اس کی عزت ہے یا اسکے لئے تحقیر پائی جاتی ہے، تمہارے دل میں اس کے لئے خواہ نفرت ہے خواہ محبت پائی جاتی ہے، آنحضرت ﷺ کی طرف اگر تم منسوب ہوتے ہو تو نصیحت کی بات کو دیکھو، یہ نہ دیکھو کہ کون کہہ رہا ہے۔ جب یہ جذبہ ہو جاتا ہے تو پھر نصیحت میں جو نوافل ہیں ان پر عمل کرنے کی بھی توفیق ملتی ہے۔ نصیحت میں کچھ فرائض ہیں جن کا عدل کے ساتھ تعلق ہے، کچھ نصیحت میں نوافل ہیں۔ پس جن لوگوں کو نصیحت کے عدل کی توفیق ملتی ہے اللہ تعالیٰ ان کو نوافل کی اس رنگ میں توفیق عطا فرماتا ہے کہ جب ایسے لوگوں کی طرف سے بات ملے جن کے لئے دل میں زیادہ محبت اور زیادہ احترام پایا جاتا ہے تو وہ یہ نہیں دیکھا کرتے کہ یہ بات کہنے کا حق بھی ہے یا نہیں یا ہم پر فرض بھی ہے یا نہیں۔ منہ سے بات نکلتی ہے اور اسے پورا کر دیتے ہیں مثلاً آنحضرت ﷺ ایک دفعہ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو باہر سے آنے والے کچھ (اب بھی جس طرح دیر سے آرہے ہیں اس طرح) لوگ مسجد میں پہنچ رہے تھے۔ کچھ لوگ مسجد نبوی میں پیچھے کھڑے تھے آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیٹھ جائیں۔ چنانچہ باہر سے آتے ہوئے ایک شخص کے کان میں یہ آواز پڑی تو وہ بیٹھ گیا اور پرندوں کی طرح پُھدک پُھدک کر مسجد کی طرف چلنے لگا۔ ایک اور آدمی پاس سے گزر رہا تھا اس نے جب یہ حیرت انگیز منظر دیکھا، اس کو ہنسی بھی آئی ہوگی، اس نے کہا تمہیں کیا ہو گیا ہے یہ کیا حرکتیں کر رہے ہو۔ اس نے جواب دیا میرے کان میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی آواز پڑی ہے کہ بیٹھ جاؤ تو میں بیٹھ گیا ہوں۔ اس نے کہا آپؐ نے تو مسجد والوں کو فرمایا ہوگا، یہ تو نہیں فرمایا کہ جو راستوں میں چل رہے ہیں وہ بھی بیٹھ جائیں۔ اس نے جواب دیا میں نے یہ نہیں سنا کہ کس کو کہا تھا میرے کان نے تو ''بیٹھ جاؤ'' کی آواز سنی ہے اور میں بیٹھ گیا ہوں۔ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب الامام یکلم الرجل فی خطبتہٖ)

پس اگر کوئی قوم ادنیٰ بنیادی مقامات پر قائم ہو جائے تو پھر اطاعت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کی اسے توفیق ملتی ہے۔ اس کے بہت فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کی چھوٹی چھوٹی نصیحتوں میں بھی قوموں کے عظیم الشان ترقی کے راز ہیں۔ اگر آپؐ کے غلام ان کی طرف توجہ نہ کریں اور ان پر غور کرنا چھوڑ دیں تو بہت بڑی نعمتوں سے محروم ہو جائیں گے۔ اس لئے جماعت احمدیہ کو چاہئے کہ نصیحت کے معاملہ میں اس بات کو ہمیشہ مدنظر رکھے کہ اصل نصیحت وہی ہے

جو حضرت محمد مصطفیٰؐ نے کی ہے۔ پس یہ نہ دیکھیں کہ کس نے ان کو کیا نصیحت کی ہے یہ دیکھا کریں کہ نصیحت اپنی ذات میں کیا ہے۔ اگر اس میں کہنے والے کے نفس کی کچھ ملونی بھی شامل ہو گئی ہو تو مثلاً بعض لوگ نصیحت میں دراصل اپنے بدلے اتار رہے ہوتے ہیں، ان کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ کسی کو فائدہ پہنچے وہ اپنے دل کا دکھ نکالتے ہیں، ایسی صورت میں بھی اتنی عظیم الشان نصیحت ہے۔ فرمایا: **ضالّة المؤمن** (سنن ترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ) تم یہ سمجھنا کہ تمہاری گُم شدہ چیز ہے اور گم شدہ چیزوں میں بھی بعض دفعہ جب گند لگ جاتے ہیں اور خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں انسان اپنا حق سمجھ کر ان کو لے لیتا ہے اور ان خرابیوں کو دور کر دیتا ہے، اس کو اصل کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ اس چھوٹی سی بات میں اتنا گہرا فلسفہ ہے کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اگر آپ اس پر عمل کریں گے تو پھر انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو ایسی حیرت انگیز اور عظیم الشان اطاعت کی توفیق ملے گی کہ جس کے تصور سے بھی دنیا عاری ہے۔ اس طرح جماعت احمدیہ اطاعت کے معاملہ میں جس مقام پر فائز ہو گی دنیا اس کا وہم بھی نہیں کر سکے گی کیونکہ آنحضور ﷺ کے زمانہ میں ان نصیحتوں پر عمل کرنے کے نتیجہ میں ہم نے یہی نظارے دیکھے ہیں۔

تیسری بات میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ نے عفو، رحم اور شفقت کا جو سلوک فرمایا اور اس کے پاک نمونے قائم فرمائے ان کا ذکر تو بہت ہی طویل ہے یعنی ایک مجلس تو کیا سینکڑوں مجالس میں بھی اس ذکر کا حق ادا نہیں ہو سکتا کیونکہ حضور اکرم ﷺ کی سیرت کا ایک عظیم الشان پہلو یہ ہے کہ وہ دور سے بھی حسین نظر آتی ہے اور قریب سے بھی حسین نظر آتی ہے۔ اور قریب جا کر حسن کے نئے نئے پہلو سامنے آنے لگتے ہیں۔ جس طرح باغ کو آپ بھی ایک نظر سے دیکھتے ہیں آپ کو بڑا حسین نظر آتا ہے لیکن جب تتلیاں پھولوں کا رس چوستی ہیں تو ان کو پھول کا ایک اور حسن نظر آنے لگتا ہے۔ گویا کسی چیز کو قریب سے دیکھیں تو اس کے حسن کی تفاصیل نظر آتی ہیں۔ پس کامل حسن جو ظاہری بھی ہو اور باطنی بھی ہو اسکی ایک خصوصی علامت یہ بھی ہے کہ وہ دور سے بھی اچھا دکھائی دیتا ہے اور قریب سے بھی۔ البتہ جتنا قریب آئیں اس کا حسن زیادہ جاذب نظر ہوتا چلا جاتا ہے اس لئے آنحضرت ﷺ کی سیرت کا اس پہلو سے بھی مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔

ہمارے سیّد و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زندگی کے چھوٹے چھوٹے واقعات پر بھی

آپ غور کریں تو ان کے اندر بھی آپ ؐ کی سیرت طیبہ کے بہت سے عظیم الشان پہلو دکھائی دیتے ہیں لیکن جو سب سے اہم بات ہے وہ یہ ہے کہ جب سیرت کے مضمون کو ہم سنتے ہیں تو اس طرح نہیں سنتے جس طرح سننے کا حق ہوتا ہے۔ آپ ایک کھلاڑی کی کھیل کا باہر بیٹھے نظارہ کرتے ہیں۔ مثلاً کرکٹ کی بہت اچھی کھیل ہو رہی ہے، آپ باہر بیٹھے دیکھ رہے ہیں اور بڑا لطف اٹھا رہے ہیں۔ کھیل کے بعد گھر کو رخصت ہوتے ہیں۔ آپ کو بلّا بھی پکڑنا نہیں آتا۔ کوئی آپ کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ تم اتنی تعریفیں کر رہے تھے اب بلّا تو پکڑ کے دکھاؤ۔ آپ کہیں گے تم پاگل ہو گئے ہو۔ بلّے کا مجھ سے کیا تعلق میں تو نظارہ کر رہا تھا۔ مجھے لطف اٹھانے کا حق ہے ہاں مجھے کھیل سے کوئی واقفیت نہیں۔ لیکن سیرت کے کے مضمون میں کوئی انسان یہ نہیں کہہ سکتا۔ سیرت کا مضمون اور وہ بھی اس سیرت طیبہ کا مضمون جو اسوۂ حسنہ بن گئی ہو اس میں یہ جواب قابل قبول ہی نہیں ہے۔ یہ جواب بلکہ عقل کے خلاف ہے۔ جب اسوہ کو سامنے رکھ کر آپ اس حسن کا مطالعہ کرتے ہیں یا حسن کا ذکر کرتے ہیں تو لازماً اس کو اختیار کرنے کی پابندی آپ پر عائد ہو جاتی ہے۔ حسب توفیق جتنا بھی اختیار کر سکیں اختیار کریں یعنی اپنی اپنی حیثیت اور توفیق کے مطابق لازماً اس طرف قدم آگے بڑھانے پڑیں گے۔ اگر سیرت کے حسن کا لطف اٹھانے کی خاطر آپ گھروں کو لوٹ آئیں اور اتباع نبویؐ کی طرف ایک بھی قدم آگے نہ بڑھا ہو تو یہ منافقت ہے یہ سراسر جھوٹ ہے۔ ایسے لوگوں کو نہ رسول اکرم ﷺ پر درود بھیجنے کا حق رہ جاتا ہے نہ ان کے درود کے کوئی معنے بنتے ہیں کیونکہ جن کا عمل ان کے قول کو جھٹلا رہا ہو، جن کا فعل ان کے نظریات کی تردید کر رہا ہو، ان کے اعمال اور اقوال کی کوئی بھی حقیقت نہیں رہتی۔ چنانچہ قول کا حسن بھی حسن عمل کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا جیسا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا (حٰم السجدۃ: ۳۴)

بڑا حسین قول ہے کہ اللہ کی طرف آؤ۔ خدا کی طرف بلانے سے بہتر اور کون سا بلاوا ہو سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ عمل اس قول کی تائید کر رہا ہو۔ جس کی طرف بلاتے ہو تم بھی تو نظر آؤ کہ اس کی طرف سے آئے ہو۔ یہ تو نہیں کہ انسان بلائے تو حسن کی طرف اور نظر یہ آ رہا ہو کہ وہ انتہائی گندگی سے نکل کر آیا ہے۔

پس یہی وہ مضمون ہے جس کو ہم جب سیرت پر اطلاق کر کے دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ

آنحضرت ﷺ کی سیرت کا مضمون بیان کرنا بھی انتہائی ذمہ داریوں کو دعوت دیتا ہے اور سننا بھی انتہائی ذمہ داریوں کو دعوت دیتا ہے۔ اس لئے اس مضمون میں انسان کو حتی المقدور یہ دعا کرتے رہنا چاہئے اور یہ کوشش کرتے رہنا چاہئے کہ وہ جو کچھ سنے ویسا بننے کے لئے کچھ نہ کچھ کوشش ضرور کرے۔ اگر معمولی پاک تبدیلی بھی پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرماتا ہے اور آگے بڑھا دیتا ہے اس لئے جب آپ سنتے ہیں کہ آنحضور ﷺ صدیق تھے تو سچ کے معیار میں کچھ اضافہ کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ جب آپ سنتے ہیں کہ آپؐ امین تھے تو دیانت کے معیار کو بڑھانا ضروری ہو جاتا ہے۔ جب آپ سنتے ہیں کہ آپؐ محسن تھے اور بخشش کرنے والے تھے تو اپنی بخشش کے معیار کو بڑھانا ضروری ہو جاتا ہے۔ لیکن آنحضور ﷺ بخشش کیسے کرتے تھے، کیوں کرتے تھے، کہاں بخشش فرماتے تھے اور کہاں نہیں فرماتے تھے؟ اس نقطۂ نظر سے آپؐ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کیا جائے تو صرف نیک عمل کی توفیق نہیں ملتی بلکہ آنحضرت ﷺ کے کردار کے پس منظر میں ایک گہرا فلسفہ دکھائی دیتا ہے۔ آپؐ کے ایک چھوٹے سے عمل میں بھی عظیم الشان تعلیمات کا ایک سمندر نظر آتا ہے۔ اس پہلو سے جب ہم آپؐ کی سیرت طیبہ پر غور کرتے ہیں اور دیگر حسن والوں سے حضور اکرم ﷺ کا موازنہ کرتے ہیں تو ان کی کوئی بھی حیثیت آنحضور ﷺ کے مقابل پر نظر نہیں آتی۔

حسن یوسفؑ بہت مشہور ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا جو اصل حسن ہے جس کا سیرت سے تعلق ہے قرآن کریم نے اس کا واقعہ بیان کرتے ہوئے چند الفاظ میں محفوظ کیا ہے۔ فرمایا لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (یوسف: ۹۳) آج کے دن تم پر کوئی پکڑ نہیں ہے۔ یہ معافی کا بڑا عظیم الشان اعلان ہے اور بہت ہی خوبصورت قصہ دکھائی دیتا ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی طبیعت میں جو عجز اور انکسار تھا اس میں ایک یہ بات بھی حیرت انگیز طور پر سامنے آتی ہے کہ جب فتح مکہ کے بعد آپؐ نے قوم کو معاف فرمایا تو حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف توجہ پھیر دی اور وہ الفاظ استعمال فرمائے جو حضرت یوسف علیہ السلام استعمال کر چکے تھے۔ آپؐ نے فرمایا جس طرح میرے بھائی یوسف نے کہا تھا میں بھی وہی کہتا ہوں۔ حالانکہ اگر آپ تجزیہ کر کے دیکھیں، دیانت داری سے مقابلہ کریں تو حسن یوسف کو حسن محمد مصطفیٰ ﷺ سے کوئی نسبت ہی نہیں رہتی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے کیا معاف کیا اور کس طرح معاف کیا، اس پر ذرا غور کر کے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا تو یہ سلوک تھا کہ آپس کے مشورہ کے بعد انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ یوسف کو کنویں میں پھینکو جو اندھا کنواں ہو اور بچنے کے امکان ہوں، وہاں سے قافلے گزرتے ہوں اور کسی قافلہ والے کی نظر پڑ جائے اور ہمارے بھائی کو بچا کر لے جائے۔ یہ بھی ظلم تو تھا۔لیکن ہرگز نہ کسی نے نہ چپیڑ ماری، نہ دکھ دیا، نہ گالیاں دیں بلکہ بڑے پیار کے ساتھ وہاں کھیلتے کھلاتے اسے کنویں میں چھوڑ کر خود بھاگ آئے۔ اس ظلم کے واقعہ کے بعد کتنے ہی سال گزر جاتے ہیں پھر جب وہ دوبارہ اپنے بھائی کے سامنے آتے ہیں اور ایسے حال میں آتے ہیں کہ ان کی حالت بڑی قابل رحم ہے، فاقوں سے ان کے پیٹ ان کی کمروں کے ساتھ لگے ہوئے ہیں، بھوک سے تنگ آکر انہوں نے کتنی مشقت کا سفر اختیار کیا، ایسی قابل رحم حالت میں اتنی مدت کے بعد اگر ایسا بھائی کوئی مل جائے تو انسان فطرت میں از خود رحم کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اور پھر بعد کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ ایک دفعہ آئے پھر دوسری دفعہ آئے۔ ملکی قانون اتنا سخت تھا کہ اپنے بھائی کو قانون ملک کے خلاف اپنے پاس روک بھی نہیں سکتے تھے انہوں نے بدلہ کیا لینا تھا۔ بدلہ تو لیتا ہے مطلق العنان حاکم جس کے قبضہ قدرت میں کئی چیزیں ہوں۔ قرآن کریم کا یہ احسان ہے کہ حضرت یوسفؑ کے حسن کو اس رنگ میں پیش فرمایا ورنہ اگر آپ تجزیہ کر کے دیکھیں تو بدلہ کی تو طاقت کوئی نہیں تھی۔ معافی سے مراد یہ ہے کہ میں نے دل سے تمہارا دکھ دور کر دیا۔ اس سے زیادہ اس معافی کے کوئی معنی نہیں۔لیکن جہاں تک انتقام نہ لینے کا تعلق ہے اس کا لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ سے وہاں کوئی تعلق نہیں بنتا کیونکہ اس ملک کے قانون میں حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ دخل نہیں تھا کہ قانون تبدیل کر کے اپنے بدلے چکانے کے لئے کسی پر کوئی زیادتی کر سکیں یہ قرآن کریم کی گواہی ہے۔ اس کے مقابل پر حضرت محمد مصطفی ﷺ کا واقعہ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ دیکھیں تو کوئی نسبت آپس میں نظر نہیں آتی۔ یہ بھی حضور اکرم ﷺ کا احسان تھا کہ حضرت یوسفؑ کا ذکر فرما دیا اور ان کے الفاظ میں ذکر فرمایا اور عجز کی انتہا ہے کہ اپنی طرف سے توجہ ہٹا کر حضرت یوسفؑ کی طرف پھیر دی حالانکہ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کا واقعہ جو مکہ میں رونما ہوا اس کی الگ الگ اور ہر پہلو سے حیرت انگیز شانیں ہیں۔

اس کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعہ تھا کیا؟ سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ عرب قوم کا اپنا طریق کیا تھا، کیا ان میں معافی کے جذبے پائے جاتے تھے اور یہ کہ وہ کس قدر عفو

کرنے والے لوگ تھے اور کس حد تک وہ کینوں میں مبتلا قوم تھی۔ اس قومی پس منظر کو بھلا کر ہم کس طرح اس واقعہ کا جائزہ لے سکتے ہیں۔

عرب قوم کے معاملات کا چھوٹا سا اندازہ آپ اس طرح لگا سکتے ہیں کہ انکی بعض لڑائیاں سوسو سال تک چلتی رہی ہیں، معمولی معمولی باتوں پر بدلہ لینا ان کی سرشت میں داخل تھا، وہ ہرگز معافی کا نام نہیں جانتے تھے، بدلہ کے معاملہ میں اپنے عزیز ترین اقربا سے بھی بدلہ لیتے تھے اور اس میں ان کے تشدد کا یہ حال تھا کہ ادنیٰ ادنیٰ چیزوں کا بدلہ اعلیٰ اعلیٰ چیزوں سے لیا کرتے تھے اور پھر اس پر فخر کرتے تھے۔ خانہ کعبہ میں ایسے قصیدے لٹکائے جاتے تھے جن میں اپنے مظالم کی داستانوں پر فخر کیا جاتا تھا۔ یعنی وہ اس بات پر فخر کرتے تھے کہ ہم بدلہ لینے والی قوم ہیں اور ہرگز معاف نہیں کر سکتے چنانچہ عرب میں ایک ایسی جنگ لڑی گئی جس میں بنوتغلب اور بنوبکر کے درمیان جنگ اس وجہ سے شروع ہوئی کہ بنوتغلب کا سردار کلیب بڑا طاقتور اور صاحب اثر عرب رئیس تھا۔ اس کی بیوی حلیلہ قبیلہ بنوبکر سے تھی۔ اس حلیلہ کا ایک بھائی تھا جس کا نام جساس تھا جو اپنی خالہ بسوس کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ بسوس کے پاس ایک شخص سعد نامی بطور مہمان آکر ٹھہرا۔ سعد کی ایک اونٹنی تھی جو کلیب کی چراگاہ میں جساس کی اونٹنیوں کے ساتھ مل کر چرا کرتی تھی۔ کلیب نے ایک پرندہ کو پناہ دی۔ پناہ بھی کیا دی ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ کلیب ایک درخت کے نیچے سے گزر رہا تھا کہ درخت کے اوپر سے اس کو ایک پرندہ کی آواز آئی، کلیب نے نظر اوپر اٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک پرندہ نے اس درخت پر ایک گھونسلہ بنا کر اس میں انڈے دے رکھے تھے۔ کلیب نے اس پرندہ کی طرف دیکھ کر کہا ''اچھا میں تمہیں پناہ دیتا ہوں تمہارا کوئی کچھ نہیں بگاڑے گا''۔ دوسرے دن جب کلیب وہاں سے گزرا تو اس نے اوپر نظر اٹھائی، دیکھا کہ گھونسلہ ٹوٹا ہوا ہے اور انڈے درخت سے نیچے گرے پڑے ہیں اور پرندہ اوپر درد بھری آواز نکال رہا ہے۔ اس نے ادھر ادھر نظر کی تو سعد کی اونٹنی چر رہی تھی اسے شک پڑا کہ شائد اس اونٹنی نے درخت کے پتے کھاتے کھاتے پرندہ کا گھونسلہ بھی توڑ دیا ہو۔ چنانچہ وہ غصہ سے مغلوب ہو کر اپنی بیوی کے بھائی جساس کے پاس گیا اور کہا دیکھو جساس! آج میرے دل میں ایک سودا سمایا ہوا ہے کہ شاید میں کچھ کر گزروں۔ آج کے بعد تمہارے مہمان کی اونٹنی میری چراگاہ میں نہیں چرے گی اور اگر یہ میری چراگاہ میں دیکھی گئی تو میں اس کے دودھ دان میں تیر مار کر اسے دکھوں کے ساتھ ہلاک کر دوں گا۔ یہ تھی

عرب قوم! اب اس کی بیوی کے بھائی کا جواب بھی سنیں۔ وہ کہنے لگا میرے مہمان کی اونٹنی کے دودھ دان میں اگر تو نے تیر مارا تو میں خود تمہارا سینہ تیر سے چھید کر رکھ دوں گا۔

یہ واقعہ گزر گیا۔ کلیب کی بیوی حلیلہ نے صلح صفائی کی بڑی کوشش کی لیکن کھچاؤ پیدا ہو گیا۔ آخر ایک دن جب کلیب اپنے اونٹوں کو پانی پلا رہا تھا اتفاقاً جساس کے مہمان کی اونٹنی کلیب کے اونٹوں میں آ کر پانی پینے لگ گئی اس نے تیر مارا جو سیدھا دودھ دان پر جا لگا۔ اونٹنی بلبلاتی ہوئی واپس دوڑی اور اپنی مالکہ بسوس جو جساس کی خالہ تھی اس کے دروازہ پر نڈھال ہو کر گر گئی اور دم توڑ دیا۔ بسوس نے واویلا کیا کہ اے بنو بکر! تمہارے مہمان کی اونٹنی کو مار کر تمہیں ذلیل کر دیا گیا، اٹھو اور بدلہ لو۔ جساس نے غصہ میں آ کر اپنے بہنوئی کلیب کو قتل کر دیا۔ چنانچہ اس پر تغلب اور بنو بکر میں ایک خطرناک جنگ چھڑ گئی جو چالیس سال تک جاری رہی۔ (الاغانی جلد نمبر ۵ صفحہ ۲۶۔۳۰) اس میں اتنا قتل و خون ہوا، اتنی عورتیں بیوہ ہو گئیں اور اتنے بچے یتیم ہو گئے کہ خدا کی پناہ۔ انسانیت نے اس کے نتیجہ میں وسیع پیمانے پر دکھ اٹھائے لیکن عرب اس بات پر قائم رہا کہ ہم معاف نہیں کر سکتے۔ ہم بدلہ لیتے ہیں۔

یہ تھے حضرت محمد مصطفی ﷺ کے ہم وطن لوگ جن میں آنحضور ﷺ کا نور پھوٹا تھا اور پھر یہ دیکھیں کہ آپؐ نے معاف کن کو کیا ہے۔ کیسے کیسے ظلم کی داستانیں بکھری پڑی تھیں۔ اسلام کے ساتھ وابستہ ہو کر آپؐ کے غلاموں کو مکہ کی گلیوں میں گھسیٹنے والے، مسلمان عورتوں کی شرمگاہوں میں نیزے مار کر ہلاک کر دینے والے، بچوں کو ذبح کر دینے والے، گھروں سے نکالنے والے، تین سال تک فاقوں کے دکھ دینے والے کوئی ایک دکھ تھا۔ بے انتہا دکھ تھے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں والا سلوک کب ہوا تھا۔ آپؐ کے گرد تو پہرہ لگا ہوا تھا کہ آپؐ کو زندہ بچ کر جانے ہی نہیں دیں گے۔ عرب کے سارے قبائل نے یہ عہد کیا تھا کہ وہ سب آپؐ کے قتل میں شامل ہوں گے۔ ہر قبیلہ کا نیزہ آپؐ کے سینے پر پڑے گا۔

یہ وہ لوگ تھے جن کو فتح مکہ کے موقع پر معاف کیا گیا تھا اور معاف بھی اس شان سے کیا ہے کہ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کے صرف ایک فقرہ پر اکتفا نہیں کیا ہے۔ اس کے بعد معافی کا جو سمندر کھل جاتا ہے وہ آپؐ کی صداقت کی ایک عظیم الشان دلیل ہے۔ اسکی داستان بڑی طویل ہے۔ ایک ایک مجرم جس کا آپ قصہ سنیں کہ اس نے کیا کچھ کیا تھا اور کس طرح حضور اکرم ﷺ نے اس سے

معافی کا سلوک فرمایا ہے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔صرف یہ کہہ دینا کہ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ یہ تو کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کے کیا اثرات ظاہر ہوئے، کہاں کہاں ظاہر ہوئے، کن کن لوگوں پر وہ ظاہر ہوئے۔ یہ ہے وہ تفصیل جو غور کے لائق ہے۔

ابوسفیان کی بیوی ہندہ وہ عورت تھی جس نے حضرت حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر چبالیا تھا اور زبان سے خون چاٹا تھا۔ آنحضرت ﷺ کو جنگ احد میں سب سے زیادہ دکھ حضرت حمزہؓ کی شہادت کا تھا۔ اسقدر بے قراری سے آپؐ اس دکھ کا اظہار فرماتے تھے کہ میں نے ساری تاریخ میں کسی اور دکھ کا اس طرح ذکر نہیں پڑھا۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر ہند نقاب اوڑھ کر بیعت کرنے والیوں میں شامل ہوگئی۔ آنحضرت ﷺ نے فیصلہ فرمایا تھا کہ اس کو معاف نہیں کروں گا لیکن وہ بیعت کرنے والی عورتوں میں شامل ہوگئی۔ آنحضور ﷺ کو اس کی آواز اور حرکتوں سے پتہ چل گیا کہ کون عورت ہے لیکن آپؐ کو تو معاف کرنے کا بہانہ چاہئے تھا۔ فرمایا اچھا ٹھیک ہے تم کو بھی معاف کرتا ہوں۔ وہ ایک دفعہ بولی دو دفعہ بولی اس وقت بھی اس نے گستاخیاں کیں۔ مثلاً آنحضرت ﷺ نے جب بیعت کے الفاظ دہرائے تو کہنے لگی کہ مردوں سے تو آپ یہ بیعت نہیں لیتے عورتوں سے کیوں بیعت لے رہے ہیں۔ آنحضور ﷺ سمجھ گئے کہ یہ کون ہے؟ پھر اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے یہ عہد لیا کہ اپنے بچوں کو قتل نہیں کرے گی۔ ہند بولی کہ ہم نے جو بچے پال پوس کر جوان کئے تھے وہ تو جنگ بدر کے دن آپؐ نے قتل کر دیئے تھے۔ اس لئے آپؐ کا اور بچوں کا معاملہ باہم رہا، ہم نے پال پوس کر جوان ہی کئے تھے نا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ کے زخموں پر نمک پاشی ہو رہی تھی۔ ایسا شخص جو اس قدر ڈھٹائی کے ساتھ آگے سے جواب دے رہا ہے اور گستاخیاں کر رہا ہے اس پر بھی آنحضرت ﷺ نے جواباً مسکرا کر فرمایا ہند! میں جانتا ہوں تم عتبہ کی بیٹی ہو۔ پھر جب آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا کہ دیکھو چوری بھی نہ کرو۔ اس پر پھر وہ بولی کہ چوری! بس میں تو ابوسفیان کی تھوڑی سی چوری کر لیتی ہوں۔ ابوسفیان بھی وہیں تھا۔ اس نے کہا میں اسکو پچھلی ساری چوریاں معاف کر دیتا ہوں، یا رسول اللہ! آپؐ بھی معاف کر دیں۔ کہاں خاوند کے چند پیسے معاف کرنا اور کہاں ہند کو معاف کر دینا جس نے آپؐ کے چچا کا جگر چبالیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا ٹھیک ہے میں اس کو معاف کرتا ہوں۔ (الاصابۃ فی تمییز الصحابہ، ذکر ھند بنت عتبہ بن ربیعۃ۔ السیرۃ الحلبیہ جلد نمبر ۳ صفحہ ۴۶۔۴۷) یہ تھے ہمارے سیّد و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ

اور یہ تھا لَا تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ کا حسین مظاہرہ جو حضور اکرمؐ سے رونما ہوا۔

پھر عکرمہ بن ابی جہل کو معاف کرنے کا واقعہ بھی کچھ کم نہیں ہے۔ وہ ابوجہل جو سب سے زیادہ خباثت اور دکھ دینے میں آگے بڑھ گیا تھا اس کا بیٹا عکرمہ بھی ان لوگوں میں سے تھا جس کو آنحضرت ﷺ نے شروع میں معاف نہ کرنے کا فیصلہ فرمایا تھا۔ یہ وہی عکرمہ ہے جس نے جنگ احد میں خالد بن ولید کے علاوہ غیر معمولی کردار ادا کیا تھا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے خلاف پانسہ پلٹنے کا اگر کوئی سہرا کہلا سکتا ہے تو وہ اس کے سر پر تھا۔ یہ نہایت تیز طرار اور بڑا قابل جرنیل تھا۔ یہ فتح مکہ کے موقع پر اس خوف سے بھاگ گیا کہ میں آنحضرت ﷺ کے حلقہ اثر ہی سے نکل جاؤں گا یعنی جہاں تک حضور اکرم ﷺ کا اثر ہے وہاں سے باہر نکل جاؤں۔ چنانچہ وہ جنوب کی طرف بھاگا اور پھر وہاں سے حبشہ کی طرف جانے کے لئے کشتی میں بیٹھ رہا تھا تو اتنے میں اس کی بیوی وہاں پہنچ گئی اور اسے کہنے لگی تمہارے دماغ کو کیا ہو گیا ہے تم دنیا میں سب سے بڑے محسن اور سب سے زیادہ بخشش کرنے والے سے بھاگ رہے ہو۔ اس نے کہا کیا رسول اللہ ﷺ مجھے بھی معاف کر دیں گے؟ وہ کہنے لگی تم چل کر دیکھو تو سہی۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہو گیا کہ عکرمہ کو اس کی بیوی لینے گئی ہے اور شاید اس کو لے کر واپس آجائے اب دیکھیں کہ آپؐ انتقام کس طرح لے رہے ہیں لَا تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ کا کیا مفہوم اس وقت ظاہر ہوتا ہے صحابہؓ کو نصیحت فرمائی کہ دیکھو! عکرمہ بن ابی جہل نہ کہنا اس سے اسکو دکھ پہنچے گا۔ مردوں کے دکھ تم زندوں میں کیوں منتقل کرتے ہو۔ ابوجہل مر گیا وہ خدا کے حضور حاضر ہو گیا اس کے ساتھ جو سلوک ہونا ہے وہ تو اس کے ساتھ ہوگا مگر اس کی وجہ سے تم زندوں کو کیوں دکھ دیتے ہو۔ اس لئے عکرمہ کو ہرگز عکرمہ بن ابی جہل نہیں کہنا۔ جب وہ آیا اور آنحضرت ﷺ کو خبر ملی تو اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور چادر بھی نہیں لی۔ چل پڑے اور فرمانے لگے **مرحبا بالراکب المھاجر. مرحبا بالراکب المھاجر** اونٹنی کے سوار مہاجر کو مرحبا، مرحبا! وہ واپس آگیا۔ (المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، ذکر عکرمہ بن ابی جہل جلد۴ صفحہ ۱۵۶۔ صفوۃ الصفوۃ، ذکر عکرمہ بن ابی جہل جلد اصفحہ ۳۰۷۔ الاصابۃ فی تمییز الصحابہ، ذکر عکرمہ بن ابی جہل جلد۴ صفحہ ۵۳۸)

یہ تھا سلوک حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا اپنے جانی دشمنوں کے ساتھ اور یہ تھا لَا تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ کا منظر جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے۔ آپؐ نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ اپنی

چادر عکرمہ کو عطا کر دی۔ اس نے کہا یا رسول اللہ (ﷺ) مجھے معاف کر دیں، میں نے بہت ظلم کئے ہیں، میں نے آپؐ کو بہت دکھ دیئے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کیسی معافی، میں تو تمہیں معافی سے کچھ زیادہ دینا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے اسکو معاف بھی کر دیا اور فرمایا میں تمہیں کہتا ہوں مانگو جو مانگتے ہو اگر میری طاقت میں ہوا تو خدا کی قسم میں تمہیں عطا کر دوں گا۔ عکرمہ نے کہا یا رسول اللہ! اگر آپؐ نے عطا کرنا ہے تو پھر میں یہ مانگتا ہوں کہ میرے لئے بخشش کی دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ میرے سارے گناہ معاف فرمادے۔ آپؐ نے اسی وقت دعا کی اے اللہ! عکرمہ کے سارے گناہ معاف فرما دے، میں تیرے حضور اس کی بخشش کی التجا کرتا ہوں۔ یہ تھے ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جنہوں نے اپنے دشمنوں کو معاف کر کے ایک کامل اور بے مثال نمونہ قائم کر دیا۔

پس جب لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کے ان واقعات پر آپ غور کریں گے تو ایک نہیں دو نہیں ایسے سینکڑوں واقعات آپ کے سامنے آئیں گے جن کے اثرات پھیلتے چلے جاتے ہیں اور عجیب شان کے ساتھ وہ اثرات نئے اثرات میں تبدیل ہو جاتے ہیں یعنی احسان ایک جگہ جا کر رک نہیں جاتا بلکہ اس سے نئے احسانات کے چشمے پھوٹنے لگ جاتے ہیں۔ یہ خیال کر لینا کہ آنحضور ﷺ نے جب معاف کر دیا تھا تو معاف کرنا بڑا آسان تھا، اس سے بڑی بیوقوفی کوئی نہیں کیونکہ ابھی تو وہ خون تازہ تھا جو مسلمان مظلوموں کا بہایا گیا تھا۔ ابھی تو اس کا رنگ بھی تبدیل نہیں ہوا تھا۔ حضور اکرم ﷺ جب ہند کو معاف فرما رہے تھے تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ حضورؐ بھول گئے تھے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کیا ہوا تھا، جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ظلم کرنے والوں کو معاف فرما رہے تھے تو کیا آپؐ کو یاد نہیں رہا تھا کہ بلالؓ کو کس طرح گلیوں میں گھسیٹا جاتا تھا۔ ایک ایک چیز آپؐ کے ذہن میں تھی، ایک ایک دکھ تازہ تھا کتنا غیر معمولی صبر آپؐ نے کیا ہوگا۔ کتنا غیر معمولی دکھ برداشت کر کے آپؐ نے معاف کیا ہوگا۔ یہ بھی آپؐ کی سیرت طیبہ کا ایک حسین منظر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے دکھ کو ان لوگوں کے دکھ میں تبدیل کر دیا جن کو آپؐ نے معاف کیا تھا۔ بے شک معافی تو ان کو مل گئی لیکن انہوں نے ہمیشہ پریشانی کی حالت میں زندگی بسر کی۔ ان کے دلوں کے دکھ تازہ رہے۔ حضور اکرمؐ نے ان کو معاف کرتے وقت جو دکھ محسوس کیا ہوگا معاف ہونے کے باوجود وہ ساری عمر انکے سینوں میں دکھ بن کر کھٹکتا رہا۔ معافی کے نتیجہ میں بعض دفعہ بے حیائی پیدا

ہوتی ہے اور بعض دفعہ پشیمانی پیدا ہوتی ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (الشوریٰ:۴۱)

کہ معاف کرنا بہت اچھی بات ہے لیکن یہ فیصلہ کر لینا چاہئے کہ معافی کے نتیجہ میں (معاف کئے جانے والے آدمی کے دل میں) پشیمانی پیدا ہوگی اور اسکی اصلاح ہوگی یا بے حیائی پیدا ہوگی۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ بے حیائی پیدا ہوگی تو تمہیں معافی کی اجازت نہیں ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے جہاں یہ دیکھا کہ معاف کرنے سے اصلاح نہیں ہوگی وہاں معاف نہیں فرمایا اور جہاں یہ دیکھا کہ معافی سے اصلاح ہوگی وہاں معاف فرمایا۔ چنانچہ ایسی حیرت انگیز اصلاح کے نمونے ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نظر نہیں آتی۔ جن لوگوں کو معاف کیا گیا تھا ان کے دلوں میں ایک عظیم الشان انقلاب آ گیا۔

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حج کے لئے مکہ تشریف لے گئے۔ وہاں بڑے بڑے رؤوساء آپؓ سے ملنے کے لئے آئے۔ ایک بڑا ہجوم تھا جس میں بہت سے پرانے غلام بھی شامل تھے جو آپؓ سے ملنے کے لئے حاضر ہوئے تھے، اس موقع پر حضرت عمرؓ نے نام لے لے کر غلاموں کو آگے بلانا شروع کیا۔ رؤوساء مکہ کو دیکھ رہے تھے لیکن ان کو آگے نہیں بلاتے تھے۔ چنانچہ ان رؤوساء نے یہ دیکھ کر بڑی سخت ذلت محسوس کی۔ یہ وہی جساس والی قوم تھی جو ایک پرندہ کے انڈوں کی چھوٹی سی بات پر شدید قتل وغارت کر سکتی تھی۔ بہر حال ایک کے بعد دوسرے غلام کو حضرت عمرؓ آگے بلاتے رہے اور بڑے بڑے سردار پیچھے بیٹھے رہ گئے۔ اس وقت ابوسفیان کی متعلق ایک روایت میں آتا ہے کہ وہ بھی انہی لوگوں میں شامل تھا اس نے کہا آج سے زیادہ ذلت کا دن دیکھنا ہمیں کبھی نصیب نہیں ہوا۔ اس پر سہیل بن عمرو جو صلح حدیبیہ کے وقت کفار کی طرف سے معاہدہ لکھنے والا اور بڑا سمجھدار آدمی تھا، اس نے کہا کہ اس وقت جن لوگوں کو آگے بلایا جا رہا ہے یہ وہ ہیں کہ جب تمہیں ہدایت کی طرف بلایا جا رہا تھا تو تم محروم رہے اور لبیک نہیں کہی لیکن ان غلاموں نے ہی تو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی آواز پر لبیک کہا اس لئے اس موقع پر ہمیں تو اس بات کا دکھ ہونا چاہئے کہ اس وقت ہم اس عظیم سعادت سے محروم رہ گئے تھے اور اس کے مقابل پر بھلا یہ بھی کوئی سعادت ہے جس سے محرومی کا تم شکوہ کر رہے ہو کہ آج

ہمیں آگے جگہ نہیں ملی۔ یہ تو کوئی چیز ہی نہیں اس سعادت کے مقابل پر جس سے تم محروم رہ گئے تھے۔ اصل سعادت تو یہ تھی کہ جب حضرت محمد مصطفی ﷺ تمہیں اسلام کی طرف بلا رہے تھے تم ایمان لے آتے لیکن تم اپنی پیٹھیں پھیر کر دوسری طرف جا رہے تھے۔ اس جواب کو سن کر ابوسفیان اور بعض دوسرے سرداروں نے خود ہی فیصلہ کیا کہ اب ہم پتہ تو کریں کہ اس کا حل کیا ہے۔ آخر عرب تھے باغیرت قوم تھی۔ اس احساس کے باوجود کہ وہ قصوروار ہیں پھر بھی وہ یہ چاہتے تھے کہ وہ ان عزتوں کو حاصل کریں جو کھوئی گئی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور پھر حضرت عمرؓ کے پاس چلے گئے۔ دو آدمیوں کے متعلق پتہ چلتا ہے۔ ایک حارث بن ہشام جو ابوجہل کا سگا بھائی تھا اور دوسرے حضرت سہیل بن عمرو، یہ دونوں حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا امیر المومنین! ہمیں معلوم ہے کہ ہم سے یہ سلوک کیوں ہوا ہے۔ ہم اس کا شکوہ لے کر نہیں آئے ہم صرف یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا اس کے ازالہ کی کوئی صورت ہے؟ حضرت عمرؓ کے متعلق لکھا ہے دکھ کی وجہ سے آپ کی آواز گلوگیر ہوگئی، منہ سے کوئی لفظ نہیں نکل رہا تھا۔ اس وقت شام میں لڑائی ہو رہی تھی۔ آپؓ نے اس طرف اشارہ کیا کہ ایک یہ صورت ہے یعنی حضرت محمد مصطفی ﷺ نے گو تمہارے قصور تمہیں بخش دیئے ہیں لیکن میں جانتا ہوں جب تک تم اپنا خون نہیں بہاؤ گے اس وقت تک چین نصیب نہیں ہوگا اور تم اپنی کھوئی ہوئی عزتوں کو حاصل نہیں کر سکتے۔ پس بخشش کا ایک یہ نمونہ بھی تھا۔ یہ اثر بھی تھا۔ یعنی بخشش ایک اور حسن میں تبدیل ہوگئی۔ چنانچہ اس بخشش کے نتیجہ میں قربانی کے ایسے عظیم الشان مظاہرے دیکھنے میں آئے کہ وہ دنیا کی تاریخ میں چاند اور سورج کی طرح روشن دکھائی دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت سہیل اور حارث دونوں نے وہ اشارہ سمجھ لیا۔ سہیل نے اپنا سارا خاندان اپنے ساتھ لیا سوائے ایک بیٹی کے جو پیچھے چھوڑ دی گئی اور حارث نے بھی اپنا سارا خاندان ہمراہ لیا اور شمال کی طرف جہاد میں شرکت کرنے کے لئے چلے گئے۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ صرف وہ بیٹی بچی جو یہاں رہ گئی تھی اور حارث کا ایک بیٹا بچ گیا باقی سارا خاندان یا وہاں شہید ہو گیا یا سفر کی حالت میں انہوں نے جان دے دی۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ذکر حارث بن ھشام، ذکر سہیل بن عمرو بن ھند بن عبد شمس)

پس یہ نیکی جو وہاں نظر آتی ہے اور حسن و احسان کا یہ حیرت انگیز نمونہ جو وہاں دکھائی دیتا ہے یہ کہاں سے پیدا ہوا تھا۔ یہ دراصل حضرت محمد مصطفی ﷺ کی بخشش کا ایک چھوٹا سا پھل تھا۔ گویا ہر

نیکی حضور اکرم ﷺ کی ذات سے پھوٹ رہی تھی۔آپؐ ہی ہر حسن کا منبع اور سرچشمہ تھے اس لئے صرف لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کہہ دینا کافی نہیں ہے یا محض سر دھننا کہ بڑا مزہ آیا حضور اکرمؐ کے لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ فرما دینے پر، دیکھنے والی بات یہ ہے کہ کن دکھوں سے گزر کر یہ لَا تَثْرِيْبَ فرمایا گیا تھا۔آجکل تو جو جھگڑے میرے سامنے آتے ہیں مجھے بڑا دکھ ہوتا ہے کہ بعض لوگ ادنیٰ ادنیٰ لڑائیوں کے نتیجہ میں چھوٹی چھوٹی باتیں بھی معاف نہیں کر سکتے۔کہتے ہیں ہم کس طرح معاف کریں ہماری غیرت برداشت نہیں کرسکتی۔فلاں نے ہمارے باپ کو یہ کہا تھا فلاں نے چچا کو یہ کہا تھا، کیا ہم میں غیرت نہیں ہے؟ ہم کس طرح اس کو منہ لگائیں لیکن دوسری طرف حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعریف میں روتے بھی ہیں اور آنحضورؐ کو دشمنوں نے جو تکلیفیں پہنچائیں ان کے ذکر پر ان کا دل واقعۃً کڑھتا بھی ہے اور وہ غم اور دکھ بھی محسوس کرتے ہیں لیکن یہ محسوس نہیں کرتے کہ اس اسوہ کو ہم نے اپنی ذات میں بھی تو جاری کرنا ہے۔لیکن عجیب احسان ہے حضور اکرم ﷺ کا یا اللہ تعالیٰ کا آپؐ کی ذات پر کہ ایسی کامل تعلیم عطا فرمائی کہ جو معاف نہیں کر سکتے ان کے لئے بھی کوئی طعنہ نہیں رکھا یہ بھی آپ کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔یہ نہیں کہ آپ خطبہ سن کر جب اپنے گھروں میں واپس جائیں تو ان لوگوں کو طعنے دینا شروع کر دیں جو واقعی طور پر مظلوم ہیں اور معاف نہیں کر سکتے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اسکی بھی تمہیں اجازت نہیں۔کسی کو اس قسم کا طعنہ دینا بھی اس حسن کے خلاف ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے معاشرہ میں اللہ تعالیٰ پیدا فرمانا چاہتا ہے۔فرمایا جو مظلوم ہے اگر وہ معاف نہیں کرسکتا تو اتنا بدلہ لینے کی اجازت ہے اور اس پر کوئی حرف نہیں ہے کوئی پکڑ نہیں ہے اور تمہیں اجازت نہیں ہے کہ تم اس کو طعنے دو اور کہو کہ تم نے معاف کیوں نہیں کیا؟ جب رسول اللہ ﷺ معاف فرمایا کرتے تھے تو تم بھی ضرور معاف کرو۔ وہ کہہ سکتا ہے میں ادنیٰ مقام پر فائز ہوں، میں عدل سے آگے بڑھنے کی طاقت نہیں پاتا۔لیکن فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (الشوریٰ:۴۱) جو آگے بڑھ سکتا ہے اور معاف کرسکتا ہے اس کا اجر اللہ پر ہے۔

غرض سوسائٹی کو حسین بنانے کے لئے قرآن کریم اور سنت نبویؐ میں بڑی واضح تعلیم دی گئی ہے اور سوسائٹی کو ہر انسانی دکھ سے محفوظ رکھنے کے لئے ہر کوشش کی گئی ہے۔چنانچہ زبانوں کو روکا گیا،

زبانوں کو ادب سکھایا گیا، ہر ایک کو اپنا مقام بتایا گیا کہ کہاں تک تم نے رہنا ہے، کہاں آگے بڑھنا ہے، کہاں رک جانا ہے۔ حسن واحسان کے یہ سارے کرشمے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعہ سے پھوٹے تھے۔ یہ حسن واحسان کا قلزم آپؐ سے جاری ہوا ہے جس نے ساری دنیا کو بھرنا ہے لیکن عملاً ابھی تک نہیں بھر سکے اس لئے کہ قربانی کرنے والے وہ لوگ نہیں ہیں جو اپنی ذات میں اس حسن کو جاری کریں۔

جماعت احمدیہ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ہر فرد کو ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے کہ آنحضور ﷺ کے قائم فرمودہ عدل پر بھی قائم ہو، آپؐ کے احسان پر بھی قائم ہو اور پھر دعا کرے کہ خدا تعالیٰ اسے اس عالی مقام پر بھی فائز فرمادے جس کو ایتاء ذی القربیٰ کہا جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ میں اس کے عجیب وغریب اور حیرت انگیز مناظر ہیں لیکن اب ان کے بیان کا وقت نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے ہم حضور اکرم ﷺ کی پاک سیرت کو اپنائیں اور آپؐ کے خلق کو اپنی ذات میں زندہ کر کے دنیا کے سامنے پیش کریں۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۱/ اپریل ۱۹۸۳ء)